نظرات

محمد اظہر صدیقی

ایک سال بیت گیا —— ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء کو دن کے تین بجے —— جب آسمان پر سورج اپنی پوری تابانیوں، حرارت اور تمازت کے ساتھ چمک رہا تھا — ٹھیک اُس وقت ایک آفتاب درخشاں اور ماہتاب ضوفشاں غروب ہو گیا جو علم و دین، شریعت و طریقت اخلاق و شرافت کی روشن روایات، تفقہ فی الدین، دانشمندی و فراست، دور اندیشی و بصیرت کے آسمانوں پر گذشتہ تریسٹھ سال سے چمک رہا تھا —— اور اپنی زرتاب کرنوں سے زندگی کے بہت سے میدانوں اور علم و دین و دانشمندی کے ایوانوں، ادب و انشا کی محفلوں، تصنیف و تالیف کے چمنستانوں کو برابر اور مسلسل منور کر رہا تھا —— یعنی ملتِ اسلامیہ عالم کے مخلص رہنما خادم انسانیت مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۸۳ سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

ہاں وہ آفتاب درخشاں غروب ہو گیا جس کی زرتاب کرنوں نے تاریخ کے صفحات کو اخلاص و ایثار، خدمتِ خلق، قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت کے، بہت سے روشن اور گراں مایہ نقوش عطا کئے تھے، آہ وہ آفتاب جس کی بدولت اور جس کی مخلصانہ کوششوں

سے کتنے نوجوانوں کے ذہن و فکر کے افق روشن ہوئے تھے ان کو زندگی کے میدانوں، علم و ادب کے خیابانوں اور درس و تدریس کے مسندوں کی رونق بننے کی صلاحیت ملی تھی۔

بلاشک و شبہ حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی ــــــ قیمتی زندگی ــــــ جہد مسلسل اور کوشش پیہم کا نمونہ تھی وہ ملت کی تعمیر و اصلاح کے اہم مقصد میں اور علم و دین کی ترویج و اشاعت میں اس طرح لگے رہے کہ کوئی لمحہ بے فکری کا باقی نہیں رہا اس لئے کہ وہ اس نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی اور پیرو تھے جو رحمت اللعٰلمین تھا، معلم اخلاق تھا، محسن انسانیت تھا ــــــ راہ کی دشوار گذاریاں، پیچ و خم ــــــ راستے کے نشیب و فراز اور ناہمواریاں ان کے پائے عزم و ثبات میں کبھی لغزش نہ لا سکیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک ملتِ اسلامیہ اور پوری انسانیت کی خدمت کے میدان میں پیہم، مسلسل اور لگاتار سرگرم عمل رہنا اس امت کے فرد کی حیثیت سے ان کا مقصدِ حیات اور فریضہ ہے جو خالق کائنات کی طرف سے خیر امت کے اہم لقب کے ساتھ اس زمین کے اوپر بھیجی گئی ہے

لاریب ــــــ! کہ مفتی صاحب مجسم محبت تھے مجسم شرافت تھے ان کا قلب ایک ایسا صاف و شفاف آئینہ تھا جس پر کسی کی برائی کا کوئی معمولی سا بھی داغ نہ تھا، تنگ نظری و تنگ دلی سے وہ کوسوں دور رہے وہ اسلاف و اکابر اور روحانیت کے تاجدار بزرگوں، اولیائے کرام، اور علمائے اسلام کے اس بلند و مقدس قافلہ کی یادگار تھے جس کے بغیر ہمارا شاہراہ علم و عمل تنگ و تاریک دکھائی دیتی ہے۔ وہ عظمت کا منار بھی تھے، علم و تفقہ کا پہاڑ بھی تھے فکر و تدبر کا ایسا روشن چراغ بھی تھے جس کی لو آندھیوں کا مقابلہ کرتی ہے، طوفانوں اور سیلابوں کی تباہ کاریوں کے سامنے سینہ تانے کھڑی رہتی ہے اور گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں اور روشنی پیدا کرتی ہے ــــــ ہاں ــــــ! وہ چراغِ ضو فشاں جو زبانِ حال سے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ـــ

جلتے رہے ہم تند ہواؤں کے مقابل
آزاد چراغ تہہ داماں نہ رہے ہم

حضرت مفتی صاحبؒ ہندوستان کے انقلابی علماء کے اس گروہ میں خود سے ہی شامل رہے جس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک تاریخی موقع پر ـــــ جو ہوں جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ کراچی ۱۹۳۱ء میں مہاتما گاندھی کو مخاطب کرتے ہوئے اور ان سے علمائے ہند کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ـــــ

"گاندھی جی ـــــ! آپ کے سامنے یہاں جو یہ بوریہ نشین علماء بیٹھے ہوئے ہیں انھوں نے انقلابِ فرانس نہیں پڑھا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں میں اور پورے ملک میں ان سے بڑی انقلابی جماعت کوئی دوسری موجود نہیں ہے ـــــ"

حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۹۱۹ء سے ہی ملکی تحریکات میں فکری و عملی حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور زندگی کے آخری سانس تک ملک و ملت کی خدمت کرتے رہے۔

بلا شک و شبہ وہ مدبر تھے، مفکر تھے اور سیاسی بصیرت اور ملکی و بین الاقوامی معاملات میں بلند پایہ فہم و فراست رکھتے تھے مگر وہ اس قسم کے سیاست داں نہیں تھے جس کے متعلق ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ ـــــ "سیاست داں صرف اپنی ذات کے لئے سوچتا ہے" یا گذشتہ سال ہمارے نائب صدر جمہوریہ کا یہ مقولہ "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوا تھا کہ ـــــ "اک سیاسی لیڈر اگلے الیکشن کے بارے میں سوچتا ہے جب کہ سیاسی مدبر اگلی نسل کے لئے سوچتا ہے ـــــ"

بلا شک و شبہ حضرت مفتی صاحبؒ ایسے سیاسی مدبر و مفکر اور دانشور تھے جن کی نگاہیں دنیائے انسانیت کے مستقبل پر لگی رہتی ہیں اور جن کے دل و دماغ اور ذہن و فکر کی ساری توانائیاں حال کو سنوارنے، اس کے پیچیدہ مسئلوں اور الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے وقف رہتی ہیں، آنے والی نسلوں کی فکر میں ڈوبی رہتی ہے

اور مستحکم بنانے کی دھن اور لگن سے بھی وہ خالی نہیں ہوتے۔ الیکشنی سیاست سے حضرت مفتی صاحب کی دلچسپی صرف اسی حد تک رہتی تھی ان کی خواہش اور کوشش ہوتی تھی کہ ملک کے قانون ساز اداروں میں ایسے صاف ذہن وسیع قلب، سیکولر مزاج انصاف پسند لوگ کامیاب ہوکر پہنچیں جو ملک کی جمہوری وسیکولر اسپرٹ کے مطابق عدل وانصاف کے تقاضوں کی تکمیل کرسکیں اور خاص طور پر اقلیتوں کے سلسلہ میں جن کے دل ودماغ ہمدردی ودلسوزی کے جذبات سے لبریز ہوں، اس سلسلہ میں اپنے اثرات، مشوروں، کوششوں اور جدوجہد میں وہ کبھی تامل وکوتاہی نہ فرماتے تھے ــــــ ایسے نازک وقت بھی آئے جب ایک خاص قسم کی فضا ملک میں ایسی قایم ہوئی اور ایسا ماحول سیاسی بازیگروں نے بنا دیا جس میں سچی بات کہنا اور مذہب و فرقہ کی سطح سے بلند ہوکر کسی سیکولر مزاج امیدوار کی حمایت کرنا ایک صبر آزما کام ہوگیا ــــ مگر یہ مفتی صاحبؒ کا دل گردہ تھا ان کی جرأت وہمت کا کمال بھی تھا، ان کی حق پرستی کا ثبوت بھی تھا اور ان کی دُور اندیشی وبصیرت کا مظاہرہ بھی کہ ایسے ماحول میں بھی اُنھوں نے مناسب وموزوں امیدواروں کی حمایت فرمائی چاہے اس کی وجہ سے کچھ سیاسی رہنماؤں کی پیشانیاں شکن آلود ہوگئیں اور ع

کچھ خاص دوستوں کے بھی چہرے بھی اتر گئے

آج ملتِ اسلامیہ ہند کو نہایت نزاکتوں کا سامنا ہے، دشوارگذار راستوں سے گذرتے ہوئے اس کو ۳۸ سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر افسوس کہ امن وسکون کی وہ منزل اس سے دُور ہی دُور ہوتی چلی جاتی ہے جس پر پہنچ کر وہ اپنی سماجی اور انسانی ڈیوٹی اور تعمیر وترقی کی ذمہ داریاں پوری کرسکے اور دُنیا کو دکھا سکے کہ مسلمان جب انسانیت کی خدمت کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کے ہر قدم سے ایسے روشن نقش اُبھرتے چلے جاتے ہیں جو مورخوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیتے ہیں، مصلحین کو طریقِ کار بخشتے ہیں اور قافلۂ انسانی

کے راستے کے مسافروں کے لئے مشعل راہ بنتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس [illegible] ہو مایوسیت اور سکون و اطمینان کی وہ منزل نصیب نہیں ہو پاتی جہاں پہنچ کر [illegible] کے جوہر کھل سکتے۔ زندگی کے موڑ، حالات کی کروٹیں اور وقت کی رفتار [illegible] کرتی ہے کہ ؎

یہ کیسی منزل ہے کیسی راہیں کہ تھک گئے پاؤں چلتے چلتے
مگر وہی فاصلہ ہے قائم جو فاصلہ تھا سفر سے پہلے

مگر حضرت مفتی صاحبؒ کے درج ذیل خیالات و افکار ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس طرح حوصلہ، اُمنگ، دلولہ اور ہمت کے جوہروں سے لبریز ہیں اور مایوس سے مایوس کمزور سے کمزور دل و دماغ کو بھی عمل کی تلقین کرتے اور عزم و حوصلہ کا پیغام دیتے ہیں۔

"میں ہندوستان کے مسلمانوں سے قطعاً مایوس نہیں۔ ان کی ایک ایک بستی میں ایسے سیکڑوں تڑپنے والے دل موجود ہیں جو اسلام کو ملتی پھرتی حالت میں اور مسلمانوں کو اس کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان تڑپتے ہوئے دلوں کو کس طرح جوڑا جائے ہمارے یہاں الحمدللہ مسلمانوں کی متعدد تنظیمیں کام کر رہی ہیں اور ان میں لاتعداد ایسے افراد موجود ہیں جن کے تقدس اور تقویٰ کی قسم کھائی جا سکتی ہے میں اس زوال اور ادبار کے عالم میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مخلص اور بے لوث کارکنوں کا جو سرمایہ مسلمانان ہند کے پاس موجود ہے اس کی مثال اس ملک میں کسی گروہ یا جماعت کے پاس نہیں پائی جاتی۔ لیکن اُمت ان جماعتوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور اس کی ذمہ داریاں ان سے زیادہ وسیع ہیں جو اب تک ہماری تمام تنظیموں نے لے رکھی ہیں۔ اس لئے ہم نے چاہا تھا کہ ہماری ان تمام تنظیموں اور ان سے ماورا ہمارے تمام مسالک اور مکاتب خیال کے اکابر کا ایک فورم ایسا ضرور ہونا چاہئے جہاں ہم بیٹھ کر اپنے حالات کا جائزہ لے سکیں

ایک دوسرے کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکیں اور مشترکہ امور میں مل جل کر آگے بڑھ سکیں مسلم مجلس مشاورت اسی فورم کا دوسرا نام ہے۔

اپنے ملک کے غیر مسلموں کو ہم ایک طرح سے مظلوم سمجھتے ہیں۔ وہ عام مسلمانوں سے کچھ مخصوص تاریخی پس منظر کی وجہ سے بدگمان ہیں اور اس بدگمانی کے باعث ان کی اکثر صلاحیتیں اور قوتیں ان مسائل پر صرف ہوتی رہتی ہیں جو صرف ایک پسماندہ اور آپس میں بھٹی ہوئی قوم کا خاصہ ہیں۔ ان کی اس سے بھی بڑی مظلومیت یہ ہے کہ ان کی رہنمائی کی باگ ڈور کسی اخلاقی قیادت کی بجائے سیاسی مفادات، زبان و ذات کی خود غرضی اور گروہی اغراض رکھنے والے لوگوں کے ہاتھوں میں جا چکی ہے۔ ایک عام غیر مسلم شہری کے زخمی دل پر پھاہے رکھنے والا کوئی نہیں۔ ہماری تمنا تھی کہ مسلمان اس طرح آگے آئے کہ ان غیر مسلموں کے دلوں میں بھی ڈھارس پیدا ہوتی اور وہ سمجھتے کہ چشتی رح اور محبوب الٰہی رح اور انھیں کی نہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے واقعات بیان کرنے والے محض تاریخ انسانی کا کوئی باب نہیں بلکہ مشاہدہ کی آنکھ آج بھی اس سیرت و کردار کو دیکھ سکتی۔ رہا مسلم تنظیموں کا معاملہ تو جماعت کے دائرہ سے نکل کر انھیں امت کا وسیع تر دائرہ میسر آرہا ہے اور اس طرح ان کی صلاحیت کار کو ایک عظیم میدان فراہم ہو رہا ہے جہاں وہ باہمی تعاون سے اپنی استعداد اور قربانی کی حد تک آگے بڑھ سکتے ہیں۔ کام اصلاح کا ہو یا دعوت تبلیغ کا، تعلیمی ہو یا اقتصادی اور اس کا دائرہ سیاست تک پھیلا ہوا ہو یا علم و دانش کے ارتقاء تک ہر ایک کو اپنی اپنی دلچسپیوں کے لحاظ سے پھیلاؤ وسعت اور گہرائی و گیرائی ملتی جاتی اور نئے نئے رنقائے کار فراہم ہوتے۔

افسوس کہ آج سے ایک سال پہلے تقدیر کے ایک بہت بڑے المیہ سے دوچار ہو کر علم و عمل کے ایک ایسے چراغ سے ہم محروم ہو گئے۔ بہت بڑا سہارا تھا جو ٹوٹ گیا اب

یاس ہے نا امیدی ہے غم ہے سوگ ہے آنکھوں کی اشک فشانی ہے دل کی فریاد ہے نامرادیوں کا طور اور ناکامیوں کا خوف ہے زندگی کا کاروان چل رہا ہے مگر جگہ جگہ ہر قدم پر خطرے ہیں اندیشے ہیں جو شب کے پر ہول سناٹے ہیں زندگی کے قافلہ کو درپیش ہیں اور راستہ میں پستیاں بھی ہیں بلندیاں بھی ہیں اور بہت سی ٹھوکریں بھی ہیں یہ سچ ہے۔ بالکل سچ ہے کہ وقت کروٹیں بدلتا رہے گا انسان پیدا ہوتے رہیں گے مگر حضرت مفتی صاحبؒ جیسا مختلف صفات کا مجموعہ شخصیت اس دور زبوں حالی اور عہدِ زوال میں کہاں پیدا ہوگی ــــ ؟

دین و دانش فکر و ذہن اور علم و عمل کے ایک پیکرِ عظیم کا اٹھ جانا قوم کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے حضرت مفتی صاحبؒ کے حلقۂ احباب و ارادت اور ان کے ہر چھوٹے بڑے واقف کار کا فرض ہے کہ وہ ان روشنیوں کو قائم رکھنے میں بھرپور امداد و تعاون کریں جو حضرت مفتی صاحبؒ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور جس کو قائم رکھنے اور جلا دینے کے لئے انھوں نے زندگی کی ساری توانائیاں بلکہ اپنا گراں مایہ خونِ دل و جگر صرف کیا ــــ ربِ کریم و کارساز ہم سب کو ان کی روایات ان کی یادگاروں اور ان کی عظمتوں کو قائم رکھنے کی توفیق دے۔ کہ حقیقت یہ ہے سچا خراجِ عقیدت اور درست خراجِ عقیدت اس مفکرِ ملت کی روحِ اقدس کو جو علم کی روشنی تھا، فکر و عمل کا چشمہ صافی تھا، اخلاق و ہمدردی انسانیت و محبت کی شمعِ فروزاں تھا ــــ اور جو بسترِ مرگ پر بھی ملت کی تعمیر، دینی اداروں کی ترقی و حفاظت اور ہر انسان کی خدمت و اعانت کو وقت کا سب سے بڑا تقاضہ اور سب سے بڑی عبادت سمجھتا رہا ــــ اور جس کے فکر و عمل میں اس جذبے کا عکس پوری طرح جھلکتا تھا کہ ؎

عارضی چیز ہے تسخیرِ ممالک اے دوست
فتح کہتے ہیں جسے قلب کی تسخیر میں ہے

تمام حضرات مخلصین اور ذمہ داران مدارس دینیہ سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ مبارک کا ایصالِ ثواب و بلندیٔ درجات کے لئے [illegible]